رُؤیتِ ہلال میں سائنسی علوم کا کردار

پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج (ڈی لٹ)
ڈین، فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز، جامعہ کراچی

چاند کے مسئلے پر ہر سال اختلاف سُننے اور دیکھنے میں آتا ہے، جو یقیناً اکثر لوگوں کیلئے تعجب کا باعث ہے۔ گو زمانۂ قدیم میں اس طرح کا کوئی اختلاف، ہمارے لئے باعثِ حیرت اس لئے نہیں بنتا کہ وہ زمانہ فقط رُویتِ عینی یا شہادت بصری پر قائم تھا۔ فضاء میں کثافت کے باعث یعنی دُھوئیں، ابر یا گرد و غبار کے سبب، چاند کے ہونے یا نہ ہونے پر اختلاف کا ہو جانا فطری امر تھا۔ اسی لئے، اُس وقت کے فقہاء نے شہادتِ عینی کو بہت زیادہ اہمیت دی اور یہ اہمیت رسول اللہ کی ایک حدیث کے مطابق درست بھی تھی، جس میں فرمایا گیا تھا۔

صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ ثم غمّ علیکم فاقدروا۔

یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھا کرو اور چاند دیکھ کر عید منایا کرو۔ پھر اگر مطلع غبار آلود ہو جائے تو اندازہ کر لیا کرو۔ (کہ چاند ہو سکتا ہے یا نہیں؟)

اس حدیث کے مطابق اب فقہی احکام کی از سرِ نو تشریح کی ضرورت ہے۔۔۔ ہمارے خیال میں اس ارشاد کی تفسیر یہ ہے کہ منازلِ قمر کا لحاظ کر کے فیصلہ کر لیا کرو۔ مطلب یہ کہ چاند ایسے افق پر واقع ہو کہ اگر فضاء میں کثافت نہ ہوتی تو وہ ضرور دکھائی دیتا۔ پس ایسی صورت میں رُویت کا حکم لگایا جائے گا اور اگر صورت برعکس ہوئی تو حکم بھی برعکس ہو جائے گا۔ ہمارے نزدیک زمانے کی برق رفتار ترقی نے جہاں بہت سے فقہی معاملات پر اپنا اثر ڈالا ہے۔ وَہیں یہ مسئلہ بھی زمانے کی روز افزوں ترقی کے سبب نئی تشریح کے ذیل میں آ گیا ہے اور یہ سب کچھ فطری انداز میں ہوا ہے۔

ویسے تو اسلام کو دینِ فطرت کہا جاتا ہے مگر حیرت ہوتی ہے کہ جب اربابِ مذہب کی طرف سے فطری اُصول و قوانین سے انحراف بھی کیا جاتا ہے۔ جو دعویٰ فطرت کی موجودگی میں بجائے خود تعجب خیز امر ہے۔ فطرت کے قوانین کو نہ سمجھنے کے سبب اُس کا انکار کر دینا یا اس کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم نہ کرنا۔۔۔ جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ مذکورہ بالا روایت میں 'فاقدروا' کے جو الفاظ آئے ہیں۔ وہ قابلِ توجہ ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے 'فاقدروا' کو 'ضیّقوا' کے معنی میں لیا ہے اور اس کی تائید میں قرآنِ مجید کی یہ آیت پیش کی ہے۔ 'ومن قدر علیہ رزقہ۔ (الطلاق/ ۷)' اور جس شخص پر اُس کا رزق

تنگ کر دیا گیا ہو۔ گویا ان کے خیال میں 'فاقدروا' تنگی کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ کہ رُویت کے مشتبہ ہونے کی صورت میں چاند کو گھیرلو، اس کا قافیہ تنگ کردو۔ فی زمانہ چاند کو گھیرنے یا اُس کے قافیے کو تنگ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ فضاء میں اُسے تلاش کرو۔ فضاء یا افق میں اُسے تلاش کرنا زمانہ قدیم میں تو ناممکن تھا مگر الفاظِ رسول، چونکہ اپنی جامعیت اور معنویت میں کسی آئندہ زمانے کی طرف بھی اشارہ کررہے ہوتے ہیں کیونکہ آپ اجوامع الکلم یعنی کم لفظوں میں زیادہ جامع بات کرنے کے وصف میں ممتاز تھے۔ اس لئے آپ کے لفظوں کو ہم اس زمانے میں علم فلکیات وعلم ہیئت کی ترقی کے سبب زیادہ بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔ گویا آپ کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ آنے والے زمانے میں رصد گاہوں (Observatories) کی وجہ سے چاند کو افق یا فضاء میں تلاش کیا جاسکے گا اور الحمدللہ کہ آج یہ سب کچھ ممکن بھی ہوگیا ہے۔ مگر ہماری کوتاہ نظری کہ ہم اس روایت کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔

دوسری بات یہ کہ قرآنِ کریم میں چاند کے دیکھے جانے سے متعلق جو آیت آئی ہے۔ وہ خصوصی توجہ کے لائق ہے۔ ارشادِ گرامی ہے۔

فمن شهد منكم الشهر فليصمه. (البقره/۱۸۵)

پس تم میں سے جو کوئی (رمضان کا) چاند دیکھ لے یا اُسے رمضان کے چاند کا علم ہو جائے تو اُسے روزہ رکھ لینا چاہئے۔

شھد کے متعدد معانی میں سے ایک معنی شھود یعنی دیکھنا، مشاہدہ کرنا بھی ہے اور یہی معنی یہاں موزوں بھی ہے۔ اگر ہم آیت کو اس کے عبارتِ ظاہری پر محمول کریں تو پھر یہ مفہوم بن جائے گا کہ جو چاند دیکھے وہ روزہ رکھے، جو نہ دیکھے وہ نہ رکھے۔ جبکہ یہ مفہوم عبارت ہرگز نہیں کیونکہ روزہ تو ہر مکلّف پر فرض ہے، خواہ کوئی چاند دیکھے یا نہ؟ پھر لفظ شھد کا صحیح مطلب کیا ہوا؟ مطلب یہ ہوا کہ چاند کا دیکھنا، سب پر لازم نہیں ہے۔ 'منکم' کا لفظ آیت میں اسی لئے لایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں چند افراد کی سچی اور مصدقہ گواہی بھی رؤیت ہلال کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہوگی۔ مگر یہ گواہی کیا 'عینی شہادت' پر مشتمل ہونی ضروری ہے یا 'علمی شہادت' پر۔ واضح رہے کہ عینی شہادت، ایک فطری شہادت ہے کہ جس میں ہر خاص و عام شریک ہوسکتا ہے۔ مگر جب عام طور پر چاند کا نظر آنا ممکن نہ ہو، مگر بعض لوگوں کا اصرار ہو کہ اُنہوں نے چاند دیکھ لیا ہے تو ایسی صورت میں فی زمانہ کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے۔ کیا بعض عینی شہادتوں کو واقعی قبول کرلینا چاہئے یا پھر علمی شہادت (سائنٹیفک گواہی) کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

ہمارے خیال میں ایسے متنازع موقعوں پر اب سائنٹیفک شہادت ہی واحد طریقہ ہوسکتا ہے، جو نہ صرف عقلاً قابلِ قبول ہے بلکہ شرعاً بھی وہی مطلوب نظر آتا ہے اور فی زمانہ مسئلے کا حل بھی اسی طریقہ میں مُضمر ہے۔ کیونکہ قرآنِ نے

مطلق شہادت کی بات کی ہے۔شہادت بصری کی بات نہیں کی ہے۔شہادت جس طرح بالبصر ہوتی ہے اسی طرح بالبصیرت (یعنی مبنی بر دلیل) بھی ہوتی ہے۔(اور میں نے آیت کے ترجمے میں اس امر کا لحاظ رکھا ہے) یہی حال لفظ رُؤیت کا ہے۔ رُؤیت کا مطلب جہاں آنکھ سے دیکھنا مراد ہوتا ہے وہیں کسی بات کا علم کی بنیاد پر جاننا بھی مراد ہوتا ہے۔قرآن میں ماضی کے نادیدہ واقعات وحقائق کو اَلَمْ تَرَ یا اَوَلَمْ یَرَوا کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ وہاں رُؤیتِ عینی مراد نہیں ہوسکتی۔اس لئے ایسے تمام مقامات پر رُؤیتِ علمی مراد لی گئی ہے۔مثلاً سورۂ فیل میں 'الم تر کیف فعل ربک باصحٰب الفیل' کے الفاظ آئے ہیں۔کیا یہاں اَلَمْ تَرَ کا معنی رُؤیتِ عینی سے کرنا درست ہوگا؟ ہرگز نہیں۔کیونکہ یہ واقعہ بعثتِ رسول اسے بہت پہلے کا ہے۔مگر رسول اللہا سے اس طرح کہا گیا ہے کہ جیسے اُنہوں نے یہ واقعہ خود دیکھا تھا؟ اس طرح رُؤیت کا لفظ بھی عینی اور علمی ہر دوطرح سے قابلِ فہم ہوجاتا ہے۔اس لئے حدیثِ رسول میں صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ کے جو الفاظ آئے ہیں۔اُن کا مفہوم جس طرح رؤیتِ عینی پر مشتمل ہے اسی طرح رُؤیتِ علمی پر بھی مشتمل ہے۔پس قرآنی لفظ 'شھد' اور حدیثی لفظ 'لِرویتہ' دونوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمیں فقط آنکھ سے دیکھنے پر اصرار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور ویسے بھی اب ہماری فضاء کثیف ہوچکی ہے اور بالعموم ہماری بینائی بھی کمزور ہوچکی ہے۔ نیز جھوٹی گواہیوں کے قوی امکان کے پیشِ نظر، برہنہ آنکھ سے چاند کو دیکھنے کا دعویٰ کرنا اور وہ بھی ایسے موقعوں پر کہ جب دیکھنا ممکن بھی نہ ہو، یقیناً اربابِ علم وعقل کیلئے تشویش واضطراب کا باعث بنتا ہے۔علم فلکیات وعلمِ ہیئت کے ماہرین کی موجودگی میں ایسے لوگوں کی اب کوئی حقیقت نہیں ہے۔اگر گواہی قابلِ قبول یا قابلِ فہم ہوسکتی ہے تو صرف ان علوم وفنون کے ماہرین کی ہی ہوسکتی ہے۔جو صاحبِ بصیرت وبصارت ہوں۔

یہاں یہ پہلو بھی پیشِ نظر رہے کہ چاند کا طلوع وغروب کوئی سیاسی مسئلہ نہیں ہے۔بلکہ خالصتاً علمی وفنی مسئلہ ہے اس پر انہی لوگوں کی رائے معتبر ہوسکتی ہے، جو اِس علم وفن کے ماہر ہیں۔قطعِ نظر اس کے کہ ان کی داڑھیاں ہیں کہ نہیں، وہ ٹوپیاں پہنتے ہیں یا نہیں؟ قرآنی آیت میں 'فمن شھد منکم الشھر' میں منکم کے لفظ پر اگر تعمق کی نظر ڈالی جائے تو اختلافِ مَطلع بھی ایک مشہود حقیقت کے طور پر قابلِ فہم ہوجاتا ہے کیونکہ قرآن ایک عالمگیر کتاب ہے اور اُس نے اپنی کتاب میں بہت پہلے یہ لفظ لاکر 'شُھودِ شھر' (چاند دیکھنا) سب کیلئے ایک ہی وقت میں ناممکن قرار دے دیا ہے۔منکم میں مِنْ تبعیضیہ ہے، جو اس بات پر دلیل ہے کہ اختلافِ مطالع کے سبب تم میں سے بعض مطلعوں پر اس کا شہود ہوگا اور بعض پر نہیں ہوگا۔پس جن جن علاقوں میں چاند کا مشہود ہونا ثابت ہوجائے وہاں روزہ رکھنا فرض ہوگا جہاں شہود ثابت نہ ہو وہاں روزہ کا اصرار واعلان یقینی طور پر غلط ہوگا۔اس مسئلے کو سمجھنے کی اب اس لئے زیادہ ضرورت ہے کہ وحدتِ قومی وملّی کے جذبے کے پیشِ نظر بعض لوگ پورے ملک میں ایک رمضان اور ایک عید دیکھنا چاہتے ہیں، جو طفلانہ خواہش کے سوا

کچھ نہیں۔ جب ٹائم زون کے پہلو سے پوری دنیا تو کجا، خود ایک ملک میں مطالع ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہوں تو چاند کو کسی مملکت کے جغرافیے تک لازماً تسلیم کرنا اور کرانا، کسی کی 'معصوم خواہش' تو ہو سکتی ہے۔ دانش مندی ہرگز نہیں۔

ہمارے نزدیک رُؤیتِ ہلال کمیٹی کی تشکیل نو کی بھی سخت ضرورت ہے یعنی ایسی کمیٹی کہ جس میں اکثر ارکان، ماہرینِ علومِ فلکیات و ہیئت ہونے چاہئیں۔ البتہ دینی معاملات میں بروقت رہنمائی کیلئے قرآن مجید کے ماہر علماء کو بھی اس میں شامل ہونا چاہئے، پھر اس کمیٹی کا اعلان پورے ملک کیلئے، اس شرط سے مشروط ہونا چاہئے کہ جب از روئے مطالع، پورے ملک میں رؤیت ثابت ہو جائے تو پورے ملک میں رمضان یا عید کا اعلان ہو۔ اگر بعض منطقوں (Zones) میں رُؤیت نہ ہوئی ہو تو بتا دینا چاہئے کہ وہاں رُؤیت نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے وہاں مقامی مطلع کے مطابق رمضان یا عید اگلے روز منائی جائے گی۔ جیسے مقامی وقتوں کے مطابق پورے ملک میں سحری و افطاری کی جاتی ہے اور اسی اختلاف کے ساتھ پورے سال نمازیں ادا کی جاتی ہیں اور ملک میں کبھی انتشار نہیں ہوتا۔ ملک میں دو عیدیں یا دو رمضان کرنا از روئے شرع اور عقل غلط نہیں ہے مگر خیال رہے کہ دو عیدیں یا دو رمضان دلیلوں کی بنیاد پر ہوں۔ سیاست، اور جہالت کی بنیاد پر ہرگز نہ ہوں۔